اس کے مقابلے میں والدین کی نافرمانی کرنا کتنا شدید گناہ ہوگا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: ''الإشراکُ بـاللّٰهِ وعقوقُ الوالدَينِ وقتلُ النفسِ وشهـادةُ الزُّورِ'' [البخاري ح: ٢٥١٠، ٥٦٣٢، ٦٤٧٧، مسلم ح: ٢٧٠] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا: ''ألا أُنَبِّئُكُم بِأكبرِ الكبائِرِ؟ألا أنَبِّئُكُم بِأكبرِ الكبائِرِ؟ألا أنَبِّئُكُم بِـأكبَـرِ الكبَـائـرِ؟'' تین دفعہ دہراتے ہوئے فرمایا: ''کیا میں آپ لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے بھی زیادہ بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں؟!'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ!'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الإشـراکُ بـاللّٰهِ وعقوقُ الوالدينِ'' ''سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔'' اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ پھر (خصوصی زور دیتے ہوئے) اٹھ بیٹھے اور ارشاد فرمایا: ''ألا وقـولُ الزُّورِ وشهـادةُ الزُّورِ، ألا وقـولُ الزُّورِ وشهـادةُ الزُّورِ......'' خبردار! جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی گواہی (خطرناک کبیرہ ہے۔) یہ جملہ آپ ﷺ بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے: کاش! اب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔'' [البخاري ح: ٢٥١١، ٥٦٣١، ٥٩١٨، ٦٥٢١، مسلم ح: ٢٦٩]

بقیہ از صفحہ 34

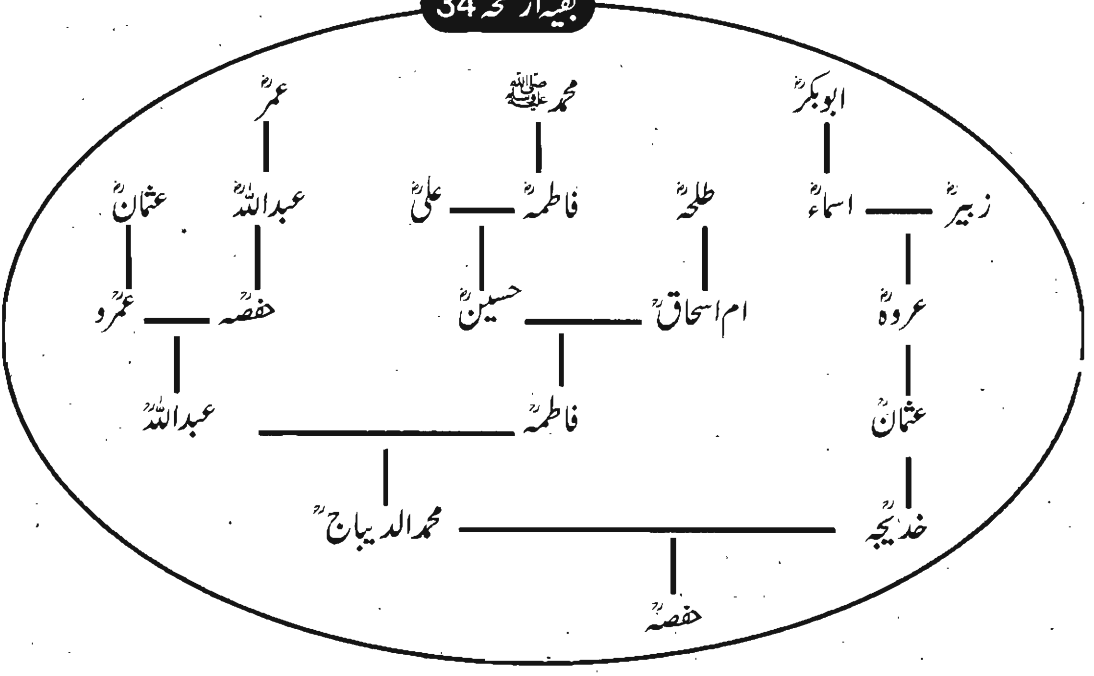

سفرنامہ

سفر مدینہ خوشگوار بنانے میں بلتی طلاب کا شاندار کردار

تحریر: غلام حسن حسنو ایم اے

حج وعمرہ اور ان کا پس منظر و پیش منظر، ان سے وابستہ اعمال و وظائف اور ان سے متعلق مقامات کا تعلق اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عشق و محبت الٰہی سے ہے۔ اسی عشق الٰہی میں انہوں نے جو بے مثال استقامت اور ایثار و قربانی سے کام لیا، اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں ایسی پسند آئیں کہ انہیں تا قیام قیامت اپنے نیک اور باوفا بندوں کے لئے حج وعمرہ کی صورت میں یادگار رکھنے کا بندوبست فرمادیا۔

آج بھی ایک زائر حرم کو عشق و محبت الٰہی میں ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جن سے یہ تینوں گزرے تھے۔ یوں یہ سب زائر حرم کو عشق الٰہی میں اپنی ذات کو فنا و اضمحلال اور کلی طور پر نیست و نابود کرنے کے مراحل سے گزارنے کا درس دیتے ہیں۔ خانہ کعبہ کا والہانہ طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، قربانی، وقوف عرفات، رمی جمرات، طواف کے دوران رمل و استلام، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، جبل رحمت، استوانہ حنانہ، سب کے سب اور تمام کے تمام فنا ہونے، فدا ہونے اور فداکاری و ایثار اپنانے اور قربان ہو جانے کے مظاہر ہیں۔

ہمیں تیس سال پہلے حج وعمرہ کے موضوع پر ایک کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی تھی۔ اس تصنیف کے دوران مختلف کتابوں میں سفر سعادت کے فیوض و برکات، اہمیت و افادیت اور دنیوی و اخروی فوائد کے بارے میں بہت سارا مواد ہماری نظروں سے گزر چکا تھا۔ چنانچہ وہاں جانے کے لئے دل کا مچل جانا ایک فطری عمل تھا۔ اسی فطری جذبے کے علاوہ ہماری مسلمانیت اور خوشحالی کا تقاضا بھی دوٹوک تھا۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے حال ہی میں ہمیں اس سعادت کے حصول کے لئے وسائل مہیا فرمائے۔ چنانچہ ہم اکیلے جانے کی بجائے اہلیہ کو بھی شریک سفر کرتے ہوئے سفر سعادت پر نکل پڑے۔

ہم نے اسلام آباد پہنچتے ہی اولین فرصت میں حاجی کیمپ جا کر مختلف تربیتی کیمپوں اور لوازمات حج کے سامان والے سٹالوں کا دورہ کر کے سفر سعادت سے متعلق بروشر اور معلومات حاصل کیں۔ اور ساتھ ہی یرقان، پولیو اور گردن توڑ بخار کے ٹیکے لگوا کر میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کیے۔ طرح طرح کی افواہیں سنیں، اور ان کے بارے میں تحقیق کرنے اور حالات کا تجزیہ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ جس سے بھی ہمیں قیام حجاز کے دوران بے پناہ فائدہ ہوا۔ حاجی کیمپ

سے ملنے والے بروشرز کے مطابق ایک عازم حج کے لئے قیام گاہ سے حرم تک آنے جانے ،طواف اور سعی کرنے میں پانچ سے سات کلومیٹر کی مسافت پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اگرچہ ہم خپلو میں روز دوز دور تک پیدل چلنے کے عادی تھے، لیکن اتنی مسافت کے ہرگز نہ تھے۔ہم نے فیصلہ کیا کہ قیام اسلام آباد کے دوران تین چار میل روز واک کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہم قیام اسلام آباد کے آٹھ دن روز صبح وشام واک کرتے رہے۔ دوران حج وعمرہ جس کا ہمیں بے حد فائدہ ہوا۔عمرہ کی ادائیگی کے موقع پر قیام گاہ سے حرم + بس اڈہ + پھر طواف کے سات چکر + اور سعی کے سات پھیرے + پھر واپسی میں پیدل سفر = یہ کل تقریباً سات کلومیٹر بنتا تھا،جس میں بس میں طے کی جانے والی مسافت شامل نہیں۔اس قدر تھکا دینے والے پیدل واک میں تھکاوٹ اور جسمانی کمزوری سے ہم الحمدللہ محفوظ رہے۔

ہم ۲۷ستمبر کورات آخری پہر چار بجے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ہمیں جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا، وہ پانچ منزلہ تھی۔اس میں بلتستان سے تعلق رکھنے والے تقریباً ۱۳۵فراد تھے، باقی گلگتی اور کشمیری تھے۔اور سارے عازمین حج کا تعلق نوربخشی، اہل سنت اور اہل حدیث برادری سے تھا۔شیعہ حضرات پرائیویٹ کمپنیوں کے ذریعے گئے تھے،جن کا اپنا الگ نظام تھا۔ ہم بلتیوں میں چند ایسے حضرات بھی تھے جنہوں نے پہلے بھی فریضۂ حج ادا کیا تھا۔اگرچہ یہ سفر سعادت تھی، ہم بڑی تمناؤں،آرزؤں کے بعد اس سعادت سے مشرف ہورہے تھے؛لیکن سفر بہرحال سفر ہوتا ہے۔جس کے بارے میں ایک کہاوت مشہور ہے: "السفرُ نصفُ السقرِ" یعنی سفر مشقت سے عبارت ہے،اور یہ نصف دوزخ کے برابر ہے۔ جس کا تجربہ ہمیں اس سفر کے مختلف مراحل میں ہوتا رہا۔۱۳اکتوبر سے ۱۷اکتوبر۲۰۱۳ تک کے ایام ہم نے منیٰ میں خیموں میں گزارنا تھا۔ ان میں سے ۱۴اکتوبر وقوف کے سلسلے میں عرفات میں اور ۱۵اکتوبر کو طواف زیارت کے تحت مکہ میں مصروف رہ کر گزر گیا۔لیکن باقی تین چار ایام کا عرصہ بیٹھے بیٹھے گزارنا قیامت سے کم نہ تھا۔ان دنوں کو ہم نے ایک خاص پروگرام کے تحت بسر کیا،اس لئے ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔جبکہ وسیع وعریض خیموں میں مقیم تمام عازمین حج فضول گپ شپ لڑانے ،غیبت گوئی کرنے ،اور کھاپی کر سوجانے میں یہ وقت گزارتے رہے۔یہی حال قیام مدینہ کے دوران بھی مشاہدے میں آیا۔محض چالیس نمازیں ادا کرنے تک ان کی تگ ودو محدود تھی۔اوقاتِ نماز کے سوا باقی اوقات ہوٹل کے کمروں میں سوکر، یا مدینہ کے بازاروں میں مٹرگشت لگا کر، یا گپ شپ میں بسر کرتے تھے۔ یہ غفلت کے مناظر دیکھ دیکھ کر ہم اندر ہی اندر کڑھتے رہتے تھے۔

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ہم نے ایک مربوط پروگرام بنایا تھا،جس کی وجہ سے ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں

ہوتا تھا۔ قیام مکہ کے دوران ہم نے زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ہماری قیام گاہ کعبہ شریف سے تقریباً ۱۲/۱۳ میل دور عزیزیہ کے آخری حد پر واقع تھی۔ ہم تقریباً ۱۲ بجے دوپہر کا کھانا کھاتے، پھر فوراً بس کے ذریعے حرم روانہ ہوتے۔ نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشاء حرم میں باجماعت پڑھتے۔ عشاء پڑھ کر ڈیرے پر آتے اور عشائیہ کھا کر سو جاتے۔ اور کبھی کبھی حرم شریف کی چھت پر رات گزارتے اور صبح کی نماز پڑھ کر ڈیرے پر آتے۔ حرم شریف میں یہ سارا وقت تین پاروں کی تلاوت، طواف، نفل نمازیں، دعائیں، تسبیحات اور کعبہ شریف کی دیدار میں گزار لیا کرتے تھے۔ ڈیرے پر رات کے چند گھنٹے اور چاشت اور اشراق کا وقت رہتے۔ اگرچہ ہماری فیملی بھی ہمارے ساتھ تھی، اور ہم ۳۵ بلتی ساتھی موجود تھے۔ پھر بھی وہاں مقیم کسی بلتی کو دیکھ کر مسرت ہوتی تھی۔

حافظ ساجد غواڑیوی مقیم مکہ کبھی گاڑی لے کر تشریف لاتے اور دیر تک ہمارے ساتھ رہتے۔ ایک دن وہ بیس لیٹر کے سربمہر آب زمزم کے بوتل لے کر تشریف لائے اور ہمیں ایک ایک بوتل تحفۃً عنایت فرمادیا؛ حالانکہ ہمیں ان کا نام تک معلوم نہیں تھا۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں مقیم اپنے بھائی کا نمبر بھی دیا۔ چنانچہ ہم مدینہ میں روز ان سے ملتے رہے۔

مکہ اور مدینہ کا ماحول بالکل مختلف ہے۔ اہل درد مکہ کو ''جلالی'' اور مدینۂ منورہ کو ''جمالی'' ماحول کا نام دیتے ہیں۔ حرم مکہ میں مرد و زن مل جل کر ساتھ ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اگرچہ حرم میں ڈیوٹی پر موجود شرطی اہل کار الگ الگ حصوں میں نماز باجماعت پڑھنے پر زور دیتے ہیں؛ لیکن مکمل عمل نہیں ہوتا۔ یوں ہم جیسے غیر ملکی جوڑوں کے لئے ایک طرح کی آسانی ہوتی ہے۔ اور غیر ملکی خواتین کے لئے اپنے محرم کے ساتھ ہونے پر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن مدینہ منورہ میں ایسا ممکن نہیں؛ یہاں شرطی انتہائی سختی سے پیش آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں نماز باجماعت الگ مسئلہ بن جاتا ہے۔ ہم مناسک حج ادا کر کے ۶ نومبر کو مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے نزدیک ہی رمادہ ہوٹل میں ہماری رہائش کا انتظام تھا۔ یہ ہوٹل پندرہ سولہ منزلہ ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں تیسری منزل پر کمرہ مل گیا؛ جبکہ ہمارے بعض ساتھیوں کو آخری منزل پر کمرہ ملا۔ جو ان کے لئے بذریعۂ لفٹ آنے جانے میں بہت بڑا مسئلہ تھا۔

مدینہ میں ہم نے پروگرام اس طرح ترتیب دیا تھا کہ رات تین بجے ہم اٹھتے۔ ہم تین یعنی میں، میری اہلیہ اور ایک بیوہ بڑھیا، باقی بلتی ساتھی اپنی اپنی ڈگر پر چل رہے تھے۔ ہمارے ہوٹل میں وضو کرنے کا انتظام درست نہیں تھا؛ کیونکہ وہاں بقول ایرانی دست شوئی (ٹوائیلیٹ) فرنگی نصب تھا۔ اس لئے ہم حرم نبوی جا کر وہیں وضو کرتے تھے۔ ہماری دونوں خواتین پرانی مسجد کے زنانہ حصے میں، اور میں عموماً منبر رسول ﷺ کے حصے میں مصروف رہتا۔ صبح کی نماز

باجماعت پڑھ کر میں پیدل قبا جاتا، وہاں نوافل پڑھ کر پیدل واپس آتا۔ جبکہ ہماری خواتین مسجد نبوی ہی میں مصروف رہتیں۔صبح ۸ بجے ہم ڈیرے پر آتے اور ناشتہ کر کے پھر مسجد نبوی آتے۔ مذکورہ مقامات پر نماز عصر تک مصروف رہتے۔ نماز عصر پڑھ کر ہم ڈیرے پر آتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے۔پھر مسجد نبوی آتے اور مذکورہ مقامات پر نماز عشاً تک مصروف رہتے۔نماز عشاً پڑھ کر ہم ڈیرے پر آتے اور سو جاتے۔یوں ہوٹل پر نہ رہنے کی وجہ سے ہمیں وہاں کی کوئی خبر نہیں ملتی تھی۔

مدینہ پہنچنے کے تیسرے دن ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے تمام ساتھی فی نفر ۲۰ ریال دے کر ہوٹل انتظامیہ کی جانب سے فراہم کردہ بس میں مدینہ منورہ کے مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور صرف ہم تینوں اس سعادت سے محروم رہ گئے ہیں۔ ہم ابھی ابھی نماز عصر پڑھ کر ہوٹل پہنچے تھے، تاکہ دوپہر کا کھانا کھائیں۔کھانا ختم ہوتے ہی ہمارے اردگرد کئی بلتی نوعمر لڑکے آ کر کھڑے ہو گئے۔ معلوم ہوا یہ سب یہیں مدینہ منورہ کے جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم ہیں اور بلتستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔جن میں مولانا محمد ابراہیم خلیل یوگو، مولانا ابوبکر شگر، مولانا سیف اللہ غواڑی، مولانا عتیق الرحمن براہ، فردوس جمال استور اور مولانا نذیر احمد کورو وغیرہ شامل ہیں۔ یہ طلباء ہمارے دوسرے ساتھیوں سے سرسری طور پر ملے، لیکن مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملے۔اس پر میں ذرا حیران ہوا، تو مولانا نذیر اور ابراہیم خلیل نے بتایا کہ وہ میرے علمی کاموں اور شائع شدہ کتابوں کے حوالے سے غائبانہ جانتے ہیں۔ جبکہ فردوس جمال استوری نے بتایا کہ اس کے پاس میری کتاب تاریخ بلتستان ہے، وہ کئی بار اس کا مطالعہ کر چکا ہے۔اور دس سال سے مجھے غائبانہ جانتا ہے۔ وہ لوگ بار بار کسی ضرورت اور مدد سے متعلق پوچھتے رہے۔اور ہر طرح کی مدد کی یقین دہانی کراتے رہے۔ بہرحال پرسش حال احوال کے بعد مجھے رہ رہ کر اپنی، اہلیہ کی اور اس بیوہ بوڑھی عورت کی زیارات مدینہ سے محرومی کا شدت سے احساس ہوتا رہا۔بار بار اسی پس منظر میں سعدی کا یہ شعر زبان پر پھسلتا ہے۔

دوستان را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمنان نظر داری

یعنی تو تو اپنے دشمنوں کو بھی نظر فضل و کرم سے دیکھتا ہے، پھر اپنے دوستوں کی یہ محرومی کیسی؟

میں نے مولانا محمد نذیر صاحب سے ہماری آج کی صورت حال عرض کی۔اور یہ بھی کہا کہ ہمیں کسی بھی وقت ان مقامات کی زیارت کے لئے وقت نکالیں۔مولانا صاحب نے حافظ ابوبکر شگری اور ابراہیم خلیل یوگوی سے مشاورت کے بعد یہ مژدہ سنایا کہ آج ہماری چھٹی تھی، آج کا دن تو گزر گیا۔کل ۱۹ اکتوبر کو بھی ہماری چھٹی ہے۔ہم ان شاء اللہ صبح گاڑی

لے کر آئیں گے۔ آپ صبح ۹ بجے ہمارے منتظر رہیں۔ یہ سن کر ہمارا دل خوشی سے جھوم اٹھا اور ہماری دونوں خواتین کی خوشی بھی دیدنی تھی۔ چنانچہ اگلے دن ۸ بجے قبا سے واپس آ کر ہم ان کا انتظار کرتے رہے۔

ٹھیک ۹ بجے وہ یونیورسٹی کی بس لے کر پہنچ گئے۔ ہم نے جلدی جلدی تمام دوستوں کو اطلاع دی، جنہوں نے کل ہی فرداً فرداً بیس بیس ریال خرچ کر کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ جبکہ آج اپنے لوگوں کے ساتھ مفت یہ سعادت مل رہی تھی۔ چنانچہ سب تیار ہو کر آ گئے اور بس میں سوار ہو گئے۔ لطف کی بات یہ کہ انہوں نے بس میں ساؤنڈ سسٹم بھی لگا دیا تھا، اس طرح مختلف مقامات مقدسہ کے بارے میں اپنی پدری زبان بلتی میں اور ساتھ ہی گلگتی ساتھیوں کے لئے اردو میں بھی بریفنگ دیتے جاتے۔ تمام بلتی اور گلگتی حاجی حضرات کے سوار ہوتے ہی بس چل پڑی۔

مولانا ابو بکر نے مائک سنبھالا اور جنگ احد اور تاریخ اسلام میں اس جنگ کی اہمیت پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ انتہائی خطرناک جنگ تھی، مشرکین مکہ کا ٹڈی دل لشکر مدینۂ طیبہ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ دفاع کے لئے تہی دست مٹھی بھر سرفروش تھے، وہ بھی مکمل سامان جنگ سے آراستہ نہیں تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورت حال دیکھ کر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف پوزیشنوں پر متعین کیا اور سختی سے ہدایت کی کہ کسی بھی صورت اپنی جگہ نہیں چھوڑنی ہے۔ ابھی وہ ہمیں بریفنگ دے رہے تھے، بس احد کی حدود میں داخل ہو گئی۔

بس سے باہر نکلے تو سامنے وہ ٹیلہ تھا، جہاں حضرت مصعب بن عمیر کی زیر کمان پچاس تیر انداز متعین تھے۔ ساتھ ہی مختلف ماڈل اور نقشوں کی مدد سے جنگ احد اور جنگ میں رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کی پوزیشنوں کو واضح کیا گیا تھا۔ یہاں مولانا محمد نذیر اور مولانا ابو بکر ایک ایک بات ہمیں سمجھا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک زخمی ہو جانے اور حضرت مصعبؓ کی شہادت اور حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کے واقعات انہوں نے اس طرح سنائے کہ سارے لوگ آبدیدہ ہو گئے۔ اور ہماری خواتین کی رو رو کر ہچکی بندھ گئی۔ انہوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے قیمتی جانوں کے نقصان کی وجہ اطاعت امیر سے روگردانی اور مال و متاع دنیا کی لالچ قرار دیا۔ اور مسلمانوں کو اتنا جانی نقصان پہنچا کر بھی کفار کا بھاگ جانا تائید الٰہی کا نتیجہ بتایا۔ حضرت حمزہ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہما اور باقی گنج شہیداں رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جا کر ہم نے انہیں سلام عقیدت پیش کیا۔ اور ان کی اور اپنی مغفرت کے لئے دعا کی۔ اور بوجھل دل کے ساتھ بس میں جا بیٹھے۔

وہاں سے ہم بئر عثمانؓ پر گئے، جو تھوڑے فاصلے پر تھا۔ مولانا ابو بکر کہہ رہے تھے کہ اس کنواں کا مالک ایک یہودی تھا، جو پانی منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ یہودی مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال

کرتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منہ مانگی قیمت دے کر اسے خرید لیا اور اسے تمام بنی نوع انسان کے لئے وقف کردیا۔ چنانچہ اس سے ہر شخص مستفید ہوتا تھا۔ آج بھی یہ کنواں زیر استعمال ہے۔ ہم نے کنویں کا پانی منگوا کر پیا۔ واقعی صاف، میٹھا اور ٹھنڈا پانی تھا، اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم مسجد ذوالقبلتین پہنچے، جہاں ہم نے نفل پڑھی۔ مولانا نذیر صاحب نے قبلہ کی اہمیت اور قبلۂ اول کی پوزیشن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی خواہش کا نقشہ کھینچا اور دوسرے پارے کے شروع کی آیات کی تشریح وتفسیر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے دورانِ نماز تحویل قبلہ فرمایا تھا۔ انہوں نے مسجد کی دونوں جانب موجود محراب دکھائے۔ ایک بیت المقدس کی جانب جبکہ دوسرا کعبہ شریف کی جانب تھا۔ انہوں نے تحویل قبلہ کو اہل ایمان کی آزمائش قرار دیا اور بتایا کہ جن کو نبی کریم ﷺ پر مکمل اعتماد تھا، انہوں نے فوراً آپ کی اقتدا کی۔ البتہ منافقین کچھ وقت اعتراض کرتے رہے؛ لیکن بعد میں انہیں خاموش رہنے ہی میں عافیت ملی۔

مسجد ذوالقبلتین کی زیارت کے بعد ایک بار پھر ہم بس میں سوار ہوئے۔ اب کی بار مائک مولانا ابوبکر صاحب نے سنبھالی اور جنگ خندق کے واقعات بتانے لگے، جسے کل مشرکین عرب کی شمولیت نے غزوۂ احزاب بنا دیا تھا۔ ابھی وہ ہمیں جنگ خندق اور خندق کے نشانات دکھا رہے تھے، ہماری بس اس ٹیلے کے پاس سے گزرنے لگی، جہاں یہ جنگ ہوئی تھی۔ اس کی یاد میں چار پانچ مسجدیں وہیں بنی ہوئی ہیں۔ افسوس وقت کی کمی کی وجہ سے ہم یہاں اتر نہیں سکے۔ بہرحال مولانا صاحب اس جنگ کے مختلف واقعات مائک پر بیان کرتے رہے۔ اس جنگ کے سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر خندق کی کھدائی، اس عمل میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جوش وخروش، یہود مدینہ کی سازش، حضرت صفیہؓ کی بہادری ودوراندیشی، حضرت علیؓ کی شجاعت وفداکاری کا خاص طور پر مؤثر بیان نہایت شاندار تھا۔ اس جنگ میں کل اسلام کل کفر سے برسرِ پیکار تھا۔ عرب پہلوان عمرو بن عبدود کا حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل اور آندھی کی صورت میں اللہ کی مدد نے جنگ کا پانسہ الٹ دیا۔ کفار ومشرکین کو پھر کبھی مدینہ پر چڑھائی کی جرأت نہیں ہوئی۔

ابھی وہ مختلف واقعات پر روشنی ڈال رہے تھے اور ہمارے ساتھی ہمہ تن گوش ان کا خطاب سن رہے تھے، کہ ہم حدودِ قبا میں پہنچ گئے۔ جہاں میں روز صبح سویرے پیدل آتا اور پیدل واپس جاتا رہتا تھا۔ چنانچہ ہم بس سے اتر گئے، سب نے وہیں نوافل ادا کی۔ مولانا محمد نذیر صاحب نے ہجرت نبوی کے واقعات، رسول اللہ ﷺ کا قبا میں استقبال اور وہیں چند روزہ قیام کے واقعات سنائے۔ پھر مسجد قبا کی اہمیت، وہاں آنے اور نوافل ادا کرنے کی فضیلت، رسول اللہ ﷺ کے

معمولات تفصیل سے بتائے۔

جب ہمارے تمام ساتھی جمع ہو گئے تو نماز ظہر کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم سب بس میں سوار ہو گئے۔ راستے میں مسجد جمعہ سے ہمارا گزر ہوا، جس کے بارے میں مولانا ابوبکر کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ کے مسلمان اسی جگہ جمعہ پڑھتے تھے۔ جب مسجد نبوی تیار ہوئی تو یہیں جمعہ ہونے لگا۔ اسی مناسبت سے یہ محلہ بھی محلۂ جمعہ کہلاتا ہے۔

وقت کی کمی کی وجہ سے ہم ثقیفۂ بنی ساعدہ، مسجد رایہ، اور دوسرے مقدس مقامات نہ دیکھ سکے۔ بہر حال آج کا ہمارا دن بڑا خوشگوار اور یادگار تھا۔ اور ہم ان بابرکت مقامات کی زیارت اور وہیں نوافل پڑھنے اور تاریخ اسلام کے ان اہم مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے پر اللہ تعالیٰ کے سراپا سپاس گزار اور ان طلباء کے شکر گزار تھے۔

۱۰ اکتوبر کو فردوس جمال استوری دوبارہ آئے اور اگلے دن ہمیں مدینہ یونیورسٹی دیکھنے کی دعوت دی۔ مولانا ابرہیم خلیل اور مولانا سیف اللہ ہمیں وہاں لے گئے۔ یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری دیکھی۔ وہاں ہم نے حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی مشہور آفاق کتاب **ذخیرۃ الملوک** کی سکین کاپی دیکھی، جس کی اصل اب بھی برلن میں موجود ہے۔ اور جس کی کتابت بلتستان کے مشہور خطاط میر عبداللہ عراقی شگری کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

اسی دن شام کو مولانا ساجد صاحب نے ہمیں مسجد نبوی ہی کی خزائن مخطوطات سیکشن میں لے گیا، لیکن بوجہ چھٹی بند تھی۔ جبکہ اوپر کی منزل پر جنرل کتب کی لائبریری کھلی تھی۔ اگلے دو تین دن ہم نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

اگلے دن ان طلباء نے ہمیں مسجد نبوی کے سامنے موجود اس میوزیم کا دورہ کرایا، جس میں اسماء الحسنٰی کو آڈیو اور ویڈیو سے متشکل کیا گیا تھا۔ اسی طرح متعدد قرآنی آیات کو فلمایا گیا ہے۔ اور تاریخ کے عبرت انگیز واقعات اور جہنم کے ہولناک مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ اسی طرح ہجرت نبوی اور مسجد نبوی کے مختلف ادوار اور مراحل کو ماڈل کے ذریعے ذہن نشین کرانے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی۔ یہ بڑی دلچسپ، مؤثر اور انتہائی سبق آموز نمائش تھی۔ اگلے دن میں نے ایک اور ہوٹل میں مقیم کھر کو بلغار کے نوجوان حاجیوں کو دعوت دی، وہ بھی انہیں دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔

۱۱۲ کتوبر کو محترم ساجد اور ابراہیم خلیل کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد ہماری نشست رہی، جس میں زیادہ تر بلتستان کے علمی، ادبی، دعوتی اور معاشرتی مسائل زیر بحث آئے۔ اور ساتھ ہی علم حدیث کو عام کرنے سے متعلق چند اقدامات پر گفتگو ہوئی۔ اس سلسلے میں اخوند سلطان علی بلغاری مرحوم کی کوششوں کا بھی ذکر آیا۔

اخوند کی کتابوں زاد الجنان، بق بق نامہ اور رفقہ احوط منظوم میں موجود متن احادیث اور ان کے فارسی میں منظوم تراجم کے میرے انتخاب سے متعلق میں نے ان سے درخواست کی کہ صرف ان احادیث کی تخریج کا کام باقی ہے۔ یہ ذمہ داری خلیل صاحب خود اٹھائیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگلے سال جون جولائی میں بلتستان آ کر اس سلسلے میں مجھ سے ملے گا اور کام مکمل کرے گا۔ افسوس وہ بلتستان آئے تھے اور میرے گھر بھی تشریف لائے تھے۔ لیکن میں انہی دنوں ایران گیا ہوا تھا۔ اور ان کی سعودیہ واپسی کے بعد میں ایران سے گھر پہنچا تھا۔ اس طرح یہ کام ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔ ان شاء اللہ امسال اس سلسلے میں پیشرفت کی امید ہے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں پندرہ سولہ بلتی طلباء زیر تعلیم ہیں۔ مجھے پہلے سے علم تھا کہ یہاں سے فارغ ہونے والے متعدد فضلاء وطن عزیز میں ملکی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ چند طلباء نے یہاں سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ مولانا خلیل صاحب خود پی ایچ ڈی کر رہے تھے اور ساتھ ہی ملازمت بھی۔ مجھے بتایا گیا کہ مدینہ کے پاس ہی ینبوع نامی جدید شہر ہے، وہاں کی ایک یونیورسٹی میں ایک بلتی لیکچرر کی تقرری بھی ہو چکی ہے۔ افسوس ان سے ملنے کا موقع نہیں ملا۔ مولانا محمد نذیر سمیت چار پانچ طلباء ایسے بھی تھے، جو یونیورسٹی میں تعلیم بھی پا رہے تھے اور نماز ظہر سے نماز عشاء تک مسجد نبوی میں جماعت کے لئے صفوں کی درستی، اور مرد و زن کے مخلوط اجتماع کی روک تھام کے لئے شرطی کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے تھے۔ اس طرح ہم خرما و ہم ثواب کے فارمولے پر کاربند تھے۔ نماز عشاء کے بعد ہم روز مختصر ملاقات کرتے تھے۔ اسی طرح کچھ طلباء بال بچوں سمیت وہیں مقیم تھے۔ اور بڑی بڑی گاڑیوں میں پھرتے تھے، جن میں سفر کرنے اور مدینہ منورہ دیکھنے کی ہمیں بھی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا ساجد اور مولانا سیف اللہ نے ۱۳ اکتوبر کو اپنے گھروں پر ہمیں دعوت بھی کھلائی، جنہیں ہم جانتے تک نہیں تھے۔ لیکن وہ ہمیں غائبانہ جانتے تھے۔ وہاں مشہور بیوروکریٹ حاجی ثناء اللہ سیرمیکی کے بیٹے محمد نسیم اور ان کی اہلیہ جو مولوی عبدالرؤف کی بیٹی ہیں، بھی مدعو تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے ایک ہوٹل میں کام کرنے والے چھلو کے ایک فرد محمد اشرف نے ہمیں عشائیہ دیا۔

پہلے بتایا گیا ہے کہ اگرچہ ہم ایک مربوط ٹائم ٹیبل کے تحت وقت گزارتے تھے، جس کی وجہ سے ہم ہر کام ٹھیک وقت پر سرانجام دیتے ہیں۔ ہمارے پاس فالتو وقت کبھی نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ ہم سب سے زیادہ وقت کو اہمیت دیتے ہیں، وقت کا ضیاع ہمارے لئے سب سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ پھر حج و عمرہ اور زیارت مدینہ کا اپنا الگ لطف ہے،